83

اشاعتِ اسلام کیلئے زندگی وقف کرنے کی تحریک

(فرمودہ ۷ ردسمبر ۱۹۱۷ء)

تشہد و تعوذ اور تلاوت سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے آیہ شریفہ
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وَ
ینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔ (آل عمران: ۱۰۵)
پڑھی اور فرمایا:

میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں۔ اس وقت جو مسلمانوں کی حالت ہو رہی ہے۔ اور جس طرح وہ محتاج ہیں کہ انکی دینی تربیت کی جائے۔ اور اسلام جن مشکلات سے گزر رہا ہے۔ اور احمدیہ جماعت کا جو فرض ہے۔ وہ بیان کیا تھا۔ آج میں اس انتظام اور طریق عمل کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے ذریعہ ہمارا یہ فرض آسانی کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کام ہمارے سامنے ہے۔ اسکی اہمیت اور شوکت کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ کس قدر تاریکی کی طاقتیں ہمارے مقابلہ میں کام کر رہی ہیں۔ جو نور کو مٹا دینا چاہتی ہیں۔ ہمیں جس قدر علم واقعات سے ہو سکتا ہے۔ وہ ہمیں ہشیار کر دینے کے لئے کافی ہے۔ ہمارے مقابلہ والے تعداد کے لحاظ سے۔ علوم کے لحاظ سے۔ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مال کے لحاظ سے غرض کسی حیثیت سے بھی دیکھا جائے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری کوئی حیثیت ہونا تو الگ رہا ہم کوئی جماعت کہلانے کے بھی مستحق نہیں۔ پھر اربوں آدمی ہیں جنہیں ہم کو

اسلام سکھانا۔ اور اس کی حقیقت بتانی ہے۔ پھر جو ہمارے مقابلہ میں مال صرف ہو رہے ہیں۔ ان کا اندازہ بھی مشکل ہے۔

ساٹھ کروڑ روپیہ عیسائیت کی تبلیغ میں صرف ہوتا ہے اور ستّر ہزار عیسائی مشنری دنیا میں کام کر رہا ہے۔ اور صرف انہی مشنریوں پر ہی ان کی تبلیغ کا دائرہ ختم نہیں ہوجاتا۔ بلکہ اور بھی بہت سے طریق ہیں جن کے ذریعہ عیسویت کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ کالج بنائے گئے ہیں سکول کھولے گئے ہیں۔ ہسپتال قائم کئے گئے ہیں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں کتب شائع کی جاتی ہیں۔ یتیم خانے بنائے گئے ہیں اگر ان تمام اخراجات کو نظر انداز کر کے صرف ستّر ہزار مبلغوں کی تنخواہوں کا ہی اندازہ کیا جائے۔ اور اوسط تنخواہ سو روپیہ ماہوار فرض کی جائے۔ تو نظام دکن کی آمدنی جتنا ان کا صرف مبلغوں کا ہی خرچ ہوگا۔ اور جو دوسری مدات میں صرف ہوتا ہے وہ ۲۰ کروڑ سے کیا کم ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں ہمارے لئے جو سامان ہیں۔ وہ گویا کچھ بھی نہیں۔ اگر ہماری جماعت تکلیف برداشت کر کے اپنی ساری آمدنیوں کو بھی دیدے۔ تو بھی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہماری تو وہی مثل ہے ایک انار و صد بیمار۔ کسی طبیب کو تو ایک انار کی موجودگی میں سو بیمار کی شکایت کرنا پڑی تھی۔ لیکن یہاں تو ایک انار اور کروڑ ہا بیمار کا معاملہ ہے۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو کوئی ایسی تجویز سوچنا چاہیئے جس سے ہمارا فرض عمدگی کے ساتھ ادا ہو جائے۔ اور یہ صاف بات ہے۔ کبھی کوئی کام اس وقت تک عمدگی سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ تدبیر کے ساتھ اس کے تمام پہلوؤں پر غائر نظر کر کے دیکھ نہ لیا جائے۔

پس سب سے پہلے دیکھنا یہ چاہیئے کہ تبلیغ اسلام کی راہ میں روکیں کیا ہیں اور سامان کیا ہیں۔ پھر ہم آسانی کے ساتھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ کس طرح اور کس طریق سے ہمیں کام کرنا چاہیئے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دنیا میں محض طاقت سے کام نہیں ہو سکتا جب تک کہ طاقت کے ساتھ تدبیر اور انتظام نہ ہو دو پہلوان کشتی لڑتے ہوں۔ ان میں جو طاقت ور ہونے کے ساتھ داؤ پیچ سے بھی

واقف ہوگا ۔ وہی کامیاب ہوگا ۔ پھر آجکل طاقت کا دخل بہ نسبت تدبیر کے بہت کم ہے ۔ جرمن سلطنت مال و ملک و افواج کے لحاظ سے ہماری گورنمنٹ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر چونکہ وہ ایک عرصہ سے تدبیر میں لگی ہوئی تھی ۔ اس لئے اب تک وہ مقابلہ کر رہی ہے ۔

پس اگر ہم اپنا سارا زور خرچ کریں لیکن انتظام کے ساتھ نہ کریں تو ہم کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہماری ساری طاقتیں جمع کی جائیں اور ان کو بہتر سے بہتر طریق کے ساتھ چلایا جائے ۔ تاکہ ان طاقتوں سے اس قدر کام نہ لیا جائے کہ بالآخر وہ ٹوٹ جائیں ۔ چھت تب ہی قائم رہتی ہے ۔ جب کڑیوں پر زیادہ بوجھ نہ ہو ۔

ہمارا دشمن ظاہری سازوسامان کے لحاظ سے ہر طرح ہم سے بڑھا ہوا ہے مگر مدد کیلئے چاروں طرف سے آوازیں آرہی ہیں ۔ اسلام میں ارتداد بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ اب اگر ہم سب طرف توجہ کریں ۔ تو اس ہر دلعزیز والا معاملہ ہوتا ہے ۔ جو دریا کے کنارے لوگوں کو پار اُتارنے کے لئے بیٹھا رہتا تھا ۔ وہ ایک شخص کو جب سوار کرکے لے جاتا ۔ تو دوسرا آواز دیتا کہ جلدی کرنا مجھے پار لے جانا ۔ وہ یہ سن کر پہلے کو دریا میں ہی چھوڑ آتا ۔ اور دوسرے کے لئے آجاتا ۔ تاکہ اس کی ہر دلعزیزی قائم رہے ۔ اور اس طرح سب کو ہلاک کر دیتا تھا ۔

اسوقت بعض مقامات ایسے ہیں کہ جہاں ہم ایک روپیہ خرچ کرکے جو کام کر سکتے ہیں ۔ وہ بعد میں دس لاکھ روپیہ خرچ کرکے بھی نہیں کر سکتے ۔ اس لئے دنیا کے سارے مقامات کو جانے دو ۔ مگر ان مقامات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ جو زیادہ محتاجِ اصلاح ہیں ۔ اور زیادہ خرچ بھی نہیں چاہتے ۔ لیکن اب تک ایسے مقامات جن میں واقعی ضرورت ہے ۔ ان میں سے بھی سَوواں حصہ نہیں جسکی طرف ہم توجہ کر سکے ہیں

ہماری جماعت پر دن بدن بوجھ بڑھ رہا ہے ۔ اور بعض کمزور طبائع ہیں ۔ جو اس بوجھ کو نہیں برداشت کر سکتیں ۔ لیکن اگر موجودہ طریق کو کتنا بھی بڑھا دیا جائے تب بھی اس عظیم الشان کام کے مطابق نہیں ہو سکتا ۔ جو ہمارے پیشِ نظر ہے ۔ اسوقت ہماری حالت تو یہ ہے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن ۔

میں تبلیغ کے مسئلہ پر بہت غور کرتا رہا ہوں ۔ اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے موجودہ طرزِ تبلیغ کے خاطر خواہ نتائج نہیں نکل سکتے ۔ میں جانتا ہوں کہ اگر موجودہ چندہ دینے والے دُگنے بھی ہو جائیں تو بھی اس طریق پر کام خاطر خواہ نہیں ہو سکتا۔ غیروں سے تو ہم روپیہ نہیں مانگ سکتے ۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے ۔ کہ جب ہم ان کے خیالات کو مٹانا چاہتے ہیں ۔ تو انہیں سے مدد مانگیں ۔ اور وہ ہماری مدد کریں ۔ ہم انکے غلط عقائد کی بنیادوں کو گرانا چاہتے ہیں ۔ پھر ہماری غیرت کیسے تقاضہ کر سکتی ہے ۔ کہ انہیں سے جاکر سوال کریں ۔ اور دنیا میں اس طرح کب ہوا ہے کہ کوئی کسی کو کہے کہ میاں چھری لانا ۔ میں تیرے بیٹے کو ماروں ۔ وہ لوگ تو اپنے غلط عقائد کو صحیح سمجھتے ہیں ۔ خواہ وہ کتنے ہی خلاف اسلام کیوں نہ ہوں ۔ مثلاً انکا یہ خیال کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ (نعوذ باللہ) ایسی نہیں کہ جس سے کوئی کامل انسان پیدا ہو سکے ۔ پھر ان سے یہ بھی تو توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس حصہ میں ہی ہماری مدد کر سکیں ۔ جو ان میں اور ہم میں مشترک ہے ۔ کیونکہ وہ اگر ایسے ہوتے تو پھر مسیح موعود کے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ لیکن مسیح موعود کا آنا بتاتا ہے کہ وہ دین کی خدمت کرنے کے لائق نہیں رہے تھے ۔ اور یہ کام مسیح موعود کی جماعت کے ہی سپرد ہوا ہے ۔ اور میں نے بتایا تھا کہ ہماری غریب جماعت جس قدر روپیہ محض تبلیغِ اسلام کے لئے خرچ کرتی ہے ۔ سارے مسلمان باوجود اپنی بڑی تعداد کے اتنا روپیہ اس غرض کے لئے نہیں خرچ کرتے ۔ یہ لوگ کالج قائم کرتے ہیں ۔ لیکن ان میں بجائے دیندار لڑکے پیدا ہونے کے ایسے تیار ہوتے ہیں جو دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں ۔ پس ہم ان پر اُمید ہرگز نہیں رکھتے ۔ اور نہ رکھ سکتے ہیں ۔ فقط ہماری تو اُمید اللہ پر ہی ہے ۔

لیکن ہمارے موجودہ ذرائع کافی نہیں ۔ اور ان ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے جو ہمیں درپیش ہیں ۔ پس ایسے ذرائع سوچنے چاہئیں ۔ جن سے جماعت پر بوجھ بھی نہ بڑھے ۔ اور ہم اپنے فرض کو بھی پورا کر سکیں ۔

میں نے اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے تاریخ اسلام پر خوب نظر کی ہے ۔ تو معلوم ہوا ہے کہ بعض ذرائع ایسے ہیں جن پر اسوقت تک عمل نہیں ہوا ۔ اسلام دنیا میں اس

طریق سے نہیں پھیلا۔ جس طریق پر ہماری تبلیغ ہو رہی ہے۔ پھر کون سا طریق تھا جس سے اسلام دنیا میں پھیلا۔ یہ تو نہیں تھا کہ تمام دنیا میں آسمان سے ایک آواز آ گئی تھی۔ کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے ہیں۔ اس پر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بلکہ اس وقت بھی اسلام کوشش اور سعی سے ہی پھیلا تھا۔ اور اب بھی اسی طرح پھیلے گا۔ لیکن وہ طریق دیکھنے چاہئیں جو اس وقت استعمال کئے گئے تھے۔ ہماری جماعت کے موجودہ چندہ کو خواہ کتنی گنا بڑھا دیا جائے۔ کتاب پر کتاب شائع کی جائے۔ تب بھی ہم تمام تبلیغی ضروریات کے مطابق کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا کیا طریق تھا جس سے تمام دنیا میں اسلام پھیل گیا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ طریق تبلیغ ہمارے صوفیا کرام رضوان اللہ علیہم کا طریق تھا ہندوستان میں اسلام حکومت کے ذریعہ نہیں پھیلا۔ بلکہ حکومت کے آنے سے صدیوں پہلے اسلام ہندوستان میں آ چکا تھا۔ حضرت معین الدین چشتی[1] کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ ہوئی پھر قطب الدین بختیار کاکی[2]۔ فرید الدین شکر گنج[3]۔ نظام الدین صاحب اولیاء[4] یہ لوگ ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے اور خدا کے دین کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ یہ لوگ تنخواہ دار نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ کچھ حصہ دن میں اپنا کام کرتے تھے اور باقی وقت دین کی اشاعت میں صرف کرتے تھے۔ یہی حال دوسرے ممالک کا ہے۔ وہاں بھی حکومت کے ذریعہ اسلام نہیں پھیلا۔ بلکہ ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ پھیلا ہے۔

---

[1] ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے مسلمہ سردار' والد ماجد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی ولادت ۵۳۷ھ اور وفات ۶۳۳ھ مزارِ مبارک بمقام اجمیر شریف۔

[2] حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے جانشین وفات دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول مزارِ مبارک بمقام دہلی۔

[3] آپ حضرت خواجہ بختیار کاکی کے خلیفہ اور اپنے وقت کے غوث و قطب تھے ۵ محرم ۶۶۴ھ کو وفات پا کر پاکپتن میں مدفون ہوئے۔

[4] خلیفہ و جانشین حضرت شیخ گنج شکر۔ آپکا شمار مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ ولادت قصبہ بدایون میں اور وفات ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ میں ہوئی۔ مزارِ مبارک دہلی میں ہے۔ (سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ)

پس یہ وہ طریق ہے جس کے ذریعہ اسلام نے دنیا میں ترقی کی تھی۔ اور جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پسند فرمایا تھا۔ حضرت صاحب کے وقت اس مسئلہ پر غور کیا گیا تھا۔ اور آپ نے قواعد بنانے کیلئے سیّد حامد شاہ صاحب کو مقرر فرمایا تھا۔ سیّد صاحب نے جو قواعد مرتب کر کے دیئے تھے وہ حضرت صاحب نے مجھ کو دیکھنے کیلئے دیئے تھے۔ کہ درست ہیں یا نہیں۔ تو میں نے عرض کیا تھا کہ درست ہیں۔ حضرت صاحب نے بھی ان کو پسند کیا تھا۔ ان قواعد پر عمل کرنے کیلئے تجویز ہوا تھا کہ دوستوں کو اپنی زندگیاں وقف کرنی چاہئیں۔ تاکہ سلسلہ پر ان کا کوئی بوجھ نہ ہو اور وہ خود محنت کر کے اپنا گزارہ بھی کریں۔ اور اسلام کی اشاعت میں بھی مصروف رہیں اور وہ ایک ایسے انتظام کے ماتحت ہوں۔ کہ ان کو جہاں چاہیں۔ جس وقت چاہیں بھیج دیں۔ اور وہ فوراً چلے جائیں۔ ..... ان تجاویز کو حضرت صاحب نے پسند فرمایا تھا اس وقت کچھ لوگوں نے اپنی زندگی وقف بھی کی تھی۔ مگر پھر معلوم نہیں کہ کیا اسباب ہوئے کہ وہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ ابتدائے اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ پھیلا۔ وہ لوگ چند آدمیوں کی جماعت بن کر مختلف اقطاع میں چلے جاتے تھے۔ اپنے گھر بار چھوڑ دیتے تھے۔ اور بال بچوں سمیت جدھر حکم ہوتا تھا چل کھڑے ہوتے تھے۔ یہی وہ رُوح تھی۔ جس نے اسلام کو ابتداء میں پھیلایا۔ اور یہی وہ رُوح ہے جو حقیقی اسلام کی رُوح ہے۔ ابتداء میں تبلیغ کا یہی رنگ تھا۔ اور طریق بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ اور یہی وہ طریق ہے جس کے ذریعہ ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ پس جب تک کام اس طرح نہیں ہوگا۔ وہ کام انجام نہیں پائے گا۔ جو ہمارے پیش نظر ہے۔

پس ہمارے دوست اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اور مختلف پیشہ سیکھیں۔ پھر ان کو جہاں جانے کیلئے حکم دیا جائے۔ وہاں چلے جائیں اور وہ کام کریں جو انہوں نے سیکھا ہے۔ کچھ وقت اس کام میں لگے رہیں۔ تاکہ ان کے کھانے پینے کا انتظام ہو سکے اور باقی وقت دین کی تبلیغ میں صرف کریں۔ مثلاً کچھ لوگ ڈاکٹری سیکھیں کہ یہ بہت مفید علم ہے۔ بعض طبّ سیکھیں۔ اگرچہ طبّ جہاں ڈاکٹری پہنچ گئی ہے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مگر ابھی بہت سے علاقہ ایسے ہیں جہاں طبّ کو لوگ پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح

اور کئی کام ہیں۔ ان تمام کاموں کو سیکھنے سے انکی غرض یہ ہو کہ جہاں وہ بھیجے جائیں وہاں خواہ ان کا کام چلے یا نہ چلے۔ لیکن کوئی خیال انکو روک نہ سکے۔ یہ ہونا چاہیئے کہ مثلاً کوئی شخص ہے اپنی زندگی وقف کر چکا ہے۔ اس کو کسی ایسی جگہ بھیجا ہوا ہے جہاں اس کی طب وغیرہ چل نکلی ہے۔ اس حالت میں اس کو حکم ملتا ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ دو اور فلاں جگہ چلے جاؤ۔ اسے فوراً تیار ہو جانا چاہیئے۔ تو خواہ زندگی وقف کرنے والے کا کسی جگہ کتنا ہی کام کیوں نہ پھیلا ہوا ہو۔ جب اسکو حکم ملے کہ فلاں جگہ جاؤ۔ تو اس کو فوراً اس کام سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ یہ کام اس نے اپنے منافع کے لئے شروع نہیں کیا تھا۔ بلکہ دین کی خاطر شروع کیا تھا۔ اور اب دین کی ضروریات اس کو وہاں سے ہٹا کر کہیں اور لے جانا چاہتی ہیں۔ اس لئے اس کو تامل نہیں ہونا چاہیئے اسی طرح ڈاکٹری۔ نجاری۔ معلمی ہے۔ غرض مختلف پیشہ ہیں جو ہر جگہ کام دے سکتے ہیں اگر اس طریق کو اختیار نہ کیا جائے۔ تو ہم کبھی ساری دنیا میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ عیسائی باوجود کروڑہا روپیہ خرچ کرنے کے ساری دنیا کی تبلیغ کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکے۔ تو ہم کیسے لے سکتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی اس طریق پر عمل کیا جاتا ہے اور ان میں بہت سے لوگوں نے ہسپتال اور مدرسہ وغیرہ کھول رکھے ہیں۔ وہ اپنا خرچ خود اٹھانے کے علاوہ اپنی تمام آمدنی بھی مشن میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کے لحاظ سے ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

میرے دل میں مدت سے یہ تحریک تھی لیکن اب تین چار دوستوں نے باہر سے بھی تحریک کی ہے کہ اسی رنگ میں دین کی خدمت کی جائے پس میں اس خطبہ کے ذریعہ یہاں کے دوستوں اور باہر کے دوستوں کو متوجہ کرتا ہوں۔ کہ دین کے لئے جوش رکھنے والے بڑھیں۔ اور اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ جو ابھی تعلیم میں ہیں۔ اور زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مجھ سے مشورہ کریں کہ کس ہنر کو پسند کرتے ہیں۔ تا ان کیلئے اس کام میں آسانیاں پیدا کی جائیں۔ لیکن جو فارغ التحصیل تو نہیں لیکن تعلیم چھوڑ چکے ہیں۔ وہ بھی مشورہ کر سکتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ جوش میں آکر اس وقت عہد کر لیں گے۔ اور اپنی زندگیاں وقف کر دیں گے مگر وہ نبھا نہیں سکیں گے۔ اس لئے جہاں میں یہ کہتا ہوں

کہ زندگیاں وقف کرو۔ وہاں یہ بھی کہتا ہوں کہ خوب سوچ سمجھ کر اس راہ میں قدم رکھو۔ کیونکہ یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم اپنی زندگیوں سے دستبردار ہو گئے۔ بعض عزیزوں رشتہ داروں کی طرف سے مشکلات پیدا کی جائیں گی۔ یا اپنا نفس ہی پیچھے ہٹنے کے لئے کہے گا۔ پس خوب سوچ کر دعاؤں کے بعد اس راہ میں قدم رکھو۔ پھر یہ بھی اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ جہاں اور جس جگہ چاہو بھیج دو۔ ہمیں انکار نہیں ہوگا۔ اگر ایک منٹ کے نوٹس پر بھی ان کو بھیجا جائے گا تو ان کو جانا پڑیگا۔ اگرچہ یہ بہت بڑا کام اور بہت بڑا ارادہ ہے۔ مگر اسکے انعامات بھی بہت بڑے ہیں۔ اگر کسی کو ایک جگہ ہزار روپیہ بھی آمدنی ہوگی تو اسکو چھوڑنا پڑے گا۔ اور ایسی جگہ جانا ہوگا جہاں صرف دس روپے ملنے کی امید ہوگی۔ اور آباد علاقوں کو چھوڑ کر جنگلوں کے سفر میں جانا پڑے گا۔ شہروں کو چھوڑ کر گاؤں میں رہنا پڑیگا۔

خطرناک موسم انکو اس ارادہ سے روک نہ سکیں۔ جنگیں ان کے لئے رکاوٹ کا موجب نہ ہوں۔ دشوار گزار راستہ ان کو بددل نہ کر دیں۔ بیوی بچوں کے تعلقات ان کے عزم کو ڈھیلا نہ کر سکیں۔ وہ چاہیں تو بیوی بچوں کو لے جائیں یا کہیں رکھیں مگر یہ نہیں ہوگا کہ کہیں کہ ہم ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پس جو ان تکالیف کو برداشت کریں گے۔ خدا انکی مدد کرے گا۔ اور ان کو بڑے بڑے انعامات کا وارث بنائے گا۔

پس جو اپنے آپکو پیش کریں۔ وہ سوچ سمجھ کریں۔ یہ کام بڑی بڑی قربانیاں چاہتا ہے۔ جو لوگ تعلیم کی عمر کو گزار چکے ہیں۔ وہ اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اور جو کوئی ہنر بھی جانتے ہیں۔ ان کو اس وقت بھیج دیا جا سکتا ہے۔ اور جو طالبعلم ہیں تو وہ تیار ہو سکتے ہیں۔ اور مجھ سے مشورہ کر سکتے ہیں۔ کہ کون سا کام سیکھیں۔ اگر ہمیں ۲۰ آدمی بھی ایسے مل جائیں تو موجودہ تبلیغ سے کہیں بڑھ کر تبلیغ ہو سکتی ہے اور ایسے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جو آج تک کی کامیابیوں سے بہت بڑھ کر ہونگے جب تک ایسے انسان نہیں ہوں گے کام بخوبی نہیں ہو سکے گا۔ کچھ دوستوں نے اپنے بچوں کو دین کے لئے وقف کیا ہے۔ نہیں معلوم وہ بچے بڑے ہو کر کیا پسند کریں گے۔ لیکن ماں باپ کو تو اپنی نیت کا ثواب مل چکا ہے۔ پس جو لوگ اپنے بچوں

کو وقف کرنا چاہیں وہ پہلے قرآن کریم حفظ کرائیں۔ کیونکہ مبلغ کیلئے حافظِ قرآن ہونا نہایت مفید ہے۔ لبعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ اگر بچّوں کو قرآن حفظ کرانا چاہیں تو تعلیم میں حرج ہوتا ہے۔ لیکن جب بچّوں کو دین کے لئے وقف کرنا ہے۔ تو کیوں نہ دین کے لئے جو مفید ترین چیز ہے وہ سکھالی جائے۔ جب قرآن کریم حفظ ہو جائے گا تو اور تعلیم بھی ہو سکے گی۔ میرا تو ابھی ایک بچہ پڑھنے کے قابل ہوا ہے اور میں نے تو اس کو قرآن شریف حفظ کرانا شروع کرا دیا ہے۔ ایسے بچّوں کا تو جب انتظام ہوگا اس وقت ہوگا۔ اور جو بڑی عمر کے ہیں وہ آہستہ آہستہ قرآن حفظ کر لیں گے۔ لیکن جو زندگی وقف کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے مشورہ کریں۔ کہ کون سا پیشہ سیکھیں گے۔ پھر انکے متعلق وہ پہلو اختیار کیا جائے گا۔ جو زیرِ نظر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے لوگوں کو توفیق دے کہ وہ قربانیاں کریں۔ اور ان کے اعمال۔ افعال عقائد خدا ہی کی رضا کے ماتحت ہوں تاکہ اس کے فضلوں کے وارث ہو جائیں۔

(الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۷ء)